سیّد احمد خاں

تکمیل

ایک فارسی مثل مشہور ہے کہ "ہر کمالے را زوالے"۔ مگر اس کے معنی اور اس کی وجہ بخوبی سمجھ میں نہیں آئی تھی۔ ایک اور بڑے حکیم نے اسی مطلب کو نہایت عمدگی اور وضاحت سے بیان کیا ہے۔ اس کا یہ قول ہے کہ "ہم کو اپنے تئیں درجۂ کمال پر پہنچا ہوا سمجھنا ہی زوال کی نشانی ہے۔" اور بلاشبہ ایسا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ جب کوئی شخص یا قوم کسی بات میں اپنے تئیں کامل سمجھ لیتی ہے تو اس میں سعی اور کوشش اور زیادہ تحقیقات اور نئی نئی باتوں کے ایجاد سے باز رہتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ اس چیز میں جس کو کامل سمجھا تھا زوال آجاتا ہے۔

کامل مطلق بجز ذات باری کے اور کوئی نہیں ہے۔ پس جو کچھ کہ خدا نے کیا یا کہا وہ تو اپنی قسم میں کامل ہے اور اس کے سوا اور کوئی چیز جو انسان نے کی ہو یا کہی ہو کامل نہیں ہے کیونکہ قابل سہو و خطا ہونا انسان کی شان سے ہے۔ اگر یہ بات اس طرح پر نہ ہوتی تو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی نازل ہونے کی ضرورت نہ رہتی۔ پس ان تمام چیزوں کو جو انسان سے ایجاد ہوئی ہیں یا نتائج عقل انسانی ہیں ان کو کامل سمجھ لینا ہماری ٹھیٹ غلطی اور ہمارے تنزل و ادبار کی ٹھیک نشانی ہے۔

کسی شخص یا کسی قوم کو کسی چیز میں کامل سمجھ لینا بہت سی خرابیوں اور نقصانوں کا باعث ہوتا ہے۔

جو چیز کہ حقیقت میں کامل نہیں ہے ہم اس کو غلطی سے کامل سمجھ لیتے ہیں۔

ہم میں ایک استغنا پیدا ہوتا ہے جس سے سوائے اس کے اور کسی بات یا تحقیقات کو حقارت سے دیکھتے ہیں اور اس بات کے فائدہ سے محروم رہتے ہیں۔

لوگوں کے اعتراضوں کے سننے کو گوارا نہیں کرتے اور اس سبب سے اپنی غلطیوں پر متنبہ نہیں ہوتے اور جہل مرکب میں پھنسے رہتے ہیں۔ کوشش سے جو ایک ترقی کا فائدہ ہے

اس کو ہاتھ سے کھو بیٹھتے ہیں۔

خدا نے جو ہم کو عقل دی ہے اور جس کا یہ فائدہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے ہم اس کو کام میں لائیں اوروں پر بھروسہ کر کے اسے بیکار کر دیتے ہیں۔

ایسا کرنے میں ہم صرف اپنا ہی نقصان نہیں کرتے بلکہ آیندہ نسلوں کو بھی بہت بڑا نقصان پہنچاتے ہیں۔ کیونکہ ہماری اور ہماری آیندہ نسلوں کی عقل اور جودتِ طبع اور تیزیٔ ذہن اور طاقتِ انتقالِ ذہنی اور قوتِ ایجاد سب مٹ جاتی ہے اور صرف اوروں کی ٹٹکاری(۱) پر ہماری چال رہ جاتی ہے۔ اور ہم ٹھیک اس مثل کے مصداق ہو جاتے ہیں "چار پائے بر وکتابے چند۔"

ہم مسلمانوں نے اپنے میں اس نقص کو نہایت درجہ پر پہنچا دیا ہے اور جو نقصان دینی اور دنیوی اس سے ہم نے اٹھائے ہیں ان کی کچھ انتہا نہیں۔ بھلا دینی باتوں کو اس وقت رہنے دو۔ اور صرف اس بات پر غور کرو کہ دنیوی علوم اور دنیوی کاروبار اور دنیا کی باہمی معاشرت اور مجالست اور رسوم و عادات اور طریقہ تعلیم اور تربیت اور ترقی علم مجلس میں کیوں ہم نہ کوشش کریں اور جس طرح اور قوموں نے ان باتوں میں ترقی کی ہے ہم بھی اسی طرح ترقی کیوں نہ کریں۔

ارسطو کچھ ہمارا مذہبی پیشوا نہ تھا جو ہم اس کے علوم اور اس کے فلسفہ اور اس کے الٰہیات کو ناقابل غلطی کے سمجھیں۔ بوعلی کچھ صاحب وحی نہ تھا کہ اس کی طب کے سوا اور کسی کو نہ مانیں۔ جو علوم دنیوی ہم مدت دراز سے پڑھتے آتے تھے، اور جو اپنے زمانہ میں ایسے تھے کہ اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے۔ انہیں پر پابند رہنے کے لیے ہم پر کوئی خدا کا حکم نہیں آیا تھا۔ پھر کیوں ہم اپنی آنکھ نہ کھولیں اور نئے نئے علوم اور نئی نئی چیزیں جو خدا تعالےٰ کی عجائب قدرت کے نمونے ہیں اور جو روز بروز انسان پر ظاہر ہوتی جاتی ہیں ان کو کیوں نہ دیکھیں۔

یہ جو کچھ ہم نے کہا یہ صرف خیالی ہی باتیں نہیں ہیں بلکہ اس وقت دنیا میں ہمارے سامنے اس کی مثالیں بھی موجود ہیں۔

---

(۱) ٹٹکارنا: جانور کو ہانکنے کے وقت جو آواز منہ سے نکلتی ہے (احمد مخدومی)

ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں دو قسم کی قومیں ہیں جن میں سے ایک نے اپنے باپ دادا کو بدرجۂ کمال پر پہنچا ہوا اور ناقابل سہو وخطا سمجھ کر ان کے علوم وفنون اور طریق معاشرت کو کامل سمجھا اور اس کی ترقی اور بہتری پر اور نئی چیزوں کے اخذ وایجاد پر کچھ کوشش نہیں کی۔ اور دوسری نے کسی کو کامل نہیں سمجھا اور ہمیشہ ترقی میں اور نئے نئے علوم وفنون وطریقہ معاشرت کے ایجاد میں کوشش کرتی رہی۔ اب دیکھ لو کہ ان دونوں میں کیا فرق ہے اور کون تنزل اور کون ترقی کی حالت میں ہے۔

ہندو اور مسلمان دو قومیں ہیں جو پچھلی لکیر کو کامل سمجھ کر اسی کو پیٹتے آتے ہیں۔ انگریز، فرنچ اور جرمن ایسی قومیں ہیں جو ہمیشہ ترقی کی کوشش میں ہیں۔ ایک زمانہ تھا کہ وہ پہلی قومیں علم وہنر وتربیت وشائستگی میں اپنے دور میں اپنی ہم عصر قوموں سے مقدم اور اعلیٰ تھیں۔ اور شاید مسلمانوں کو یہ بھی عزت تھی کہ وہ یورپ کی بعض قوموں کے لیے بمنزلہ استاد کے گنے جاتے تھے مگر اسی عیب نے جو ان قوموں میں تھا اور اب بھی ہے اور اسی خوبی نے جو پچھلی قوموں میں تھی اور اب بھی ہے۔ ٹھیک معاملہ بالعکس کر دیا ہے۔ اب یورپ کی قومیں ایشیا کی قوموں سے علم وہنر، تربیت وشائستگی میں اعلیٰ ہیں۔ پس میرا مطلب صرف یہی ہے کہ ہماری قوم کو بھی چاہیے کہ اپنے دماغ کو ان بے ہودہ اور لغو خیالات سے جنہوں نے ان کی عقل اور سمجھ کو بالکل خراب کر رکھا ہے اور ان کی تمام خوبیوں کو خیالات فاسد کے کیچڑ میں لتھڑ پتھڑ کر دیا ہے خالی کریں۔ اور علوم اور فنون اور تہذیب وشائستگی میں ترقی کرنے کی کوشش کریں۔ اور انصاف سے دیکھیں کہ ان کی تہذیب اور شائستگی میں نقصان ہونے کے سبب سے ان کی قوم کی کیسی بدنامی ہے۔ اور ان عمدہ اخلاق اور قواعد کو جو خدا تعالےٰ نے مذہب اسلام کی بدولت ان کو دیے تھے بری طرح سے استعمال میں لانے اور ان کو بدصورت کر دینے سے غیر قومیں اسلام کو ہماری نالائقی کی بدولت کیسی حقارت اور نفرت سے دیکھتی ہیں۔ کیسے خندہ زن اشارات اور کنایات اس پر کرتی ہیں۔ اور ہماری شامت اعمال کو نتیجۂ مذہب اسلام ٹھہراتی ہیں۔ ان کا ایسا کہنا اور خیال کرنا کچھ بے جا نہیں ہے اسلام کوئی مٹی کا پتلا نہیں ہے جس کو کوئی دیکھ سکے۔ مسلمانوں کی حالت اور ان کے چال چلن سے اسلام کی صورت دکھائی دیتی ہے۔ سو انہوں نے اس کو ایسا بدصورت بنایا ہے

کہ جو کوئی نفرت کرے کچھ تعجب نہیں۔ پس اب میری یہ خواہش ہے کہ مسلمان اپنے اخلاق اور تہذیب وشائستگی کی درستی میں کوشش کرکے اور اپنے حال اور چال چلن کو درست اور عمدہ کرکے اسلام کی جو اصلی صورت ہے وہ دنیا کو دکھا دیں۔

(ماخوذ از تہذیب الاخلاق)

سرگزشتِ غزالی

مترجمہ محمد حنیف ندوی

امام غزالی کی "المنقذ" کا اردو ترجمہ جس میں انہوں نے اپنے فکری ونظری انقلاب کی دلچسپ داستان بیان کی ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح انہوں نے جبہ وعبا اور مسند ودستار کی زندگی چھوڑ کر گلیم وفقر کی روش اختیار کی اور تصوف کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ قیمت ۲ روپے

سیاستِ شرعیہ

مؤلفہ رئیس احمد جعفری

دنیا بادشاہت، آمریت، جمہوریت، اشتراکیت اور اشتمالیت کے نظاموں کا تجربہ کر چکی ہے لیکن انسانیت کے دکھ کا مداوا کہیں نہیں ملتا۔ اسلام نے بھی اب سے چودہ سو برس پہلے ایک دستورِ حیات پیش کیا تھا جو دوسرے تمام نظاموں سے بالکل الگ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ سیاستِ شرعیہ میں قرآن اور حدیث کی روشنی میں اسی اجمال کی تفصیل ہے۔ اور یہ مصر کے مشہور مصنف علامہ عبدالوہاب خلاف کی تصنیف السیاستہ الشرعیہ کا سلیس وشگفتہ ترجمہ ہے۔ قیمت ۵ روپے

ملنے کا پتہ: سیکریٹری ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ۔ کلب روڈ۔ لاہور